31

تحریک جدید کے چندے اور اس کی وصولی کو زیادہ منظّم اور باقاعدہ کرو

جلسہ سالانہ پر خدمت کے لیے مقامی اور بیرونی احباب زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو پیش کریں

(فرمودہ 14 دسمبر 1951ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''چونکہ ہمارا جلسہ سالانہ قریب آ رہا ہے اور اس کے متعلق بھی میں نے بعض باتیں کہنی ہیں، اِسی طرح تحریک جدید کے اعلان کے بارے میں بھی بعض باتیں کہنے والی ہیں اِس لیے میں آج اختصار کے ساتھ دونوں امور کے متعلق کچھ بیان کر دیتا ہوں۔

تحریک جدید کا اعلان میں کر چکا ہوں اور اِس وقت تک جماعت کی طرف سے جو جواب آئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت نے اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح سمجھا ہے اور وہ پوری توجہ کے ساتھ اپنے وعدے بجھوا رہی ہے۔ چنانچہ تحریک جدید دَورِ دوم کے وعدے اِس وقت تک جو آ چکے ہیں گو وہ ضرورت کے مطابق تو نہیں لیکن بہرحال گزشتہ سال کی نسبت یعنی پچھلے سال اِس وقت تک

جتنے وعدے وصول ہوئے تھے اُن سے اِس سال کے وعدے دو گنے ہیں۔ اِس کے لازماً یہ معنے نہیں کہ جب وعدوں کی میعاد ختم ہو جائے گی تو اِس سال کے وعدے گزشتہ سال کے وعدوں سے دو گنے ہو جائیں گے لیکن اِس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ جماعت اپنے وعدے بھجوانے میں پچھلے سال سے زیادہ مستعدی اور بیداری سے کام لے رہی ہے۔ دَورِاوّل کے وعدوں کا مجھے صحیح اندازہ نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی ڈیوڑھے کے قریب ہیں۔ گو جتنے وعدے پورے وقت کے بعد ہو جاتے ہیں اُن سے وہ ابھی بہت کم ہیں۔ یعنی صرف پانچویں حصہ کے برابر ہیں۔ لیکن گزشتہ سال اِس وقت تک جتنے وعدے آئے تھے اُن سے تحریک جدید دَورِاوّل کے وعدے ڈیوڑھے اور دَورِدوم کے وعدے دُگنے کے قریب آ چکے ہیں۔ اِس سے اُمید پیدا ہوتی ہے کہ اِنْشَاءَ اللّٰہُ وعدوں کی تاریخ کے اختتام پر پچھلے سالوں سے زیادہ ہی وعدے ہوں گے اور جس سُرعت کے ساتھ جماعت نے اپنے وعدے بھجوانے میں کام لیا ہے اس کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہمیں اُمید کرنی چاہیے کہ وہ ان وعدوں کو پورا کرنے میں بھی جلدی کرے گی اور کسی قسم کی غفلت اور تساہل سے کام نہیں لے گی۔

میں نے بتایا ہے کہ اِس سال تحریک جدید کا بجٹ قریباً پچاس ہزار روپیہ تک پیچھے ہے بلکہ پچاس ہزار بھی نہیں اَسّی نوّے ہزار روپیہ کے قریب اِس پر بار ہے یعنی اِس وقت تک جو رقوم ادا کی گئی ہیں وہ ساری کی ساری اِس سال کے چندے میں سے ادا نہیں کی گئیں بلکہ پچاس ہزار روپیہ قرض لیا گیا ہے اور ابھی پانچ مہینے اخراجات کے باقی ہیں۔ جنوری، فروری، مارچ، اپریل اور مئی۔ ہمارا مالی سال اپریل میں ختم ہوتا ہے مگر مئی کے شروع میں جو اخراجات دیئے جاتے ہیں وہ چونکہ اپریل کے ہوتے ہیں اِس لیے گزشتہ سال کی آمد میں سے دیئے جاتے ہیں۔ فروری کے بِل مارچ میں ادا ہوتے ہیں، مارچ کے بِل اپریل میں ادا ہوتے ہیں اور اپریل کے بِل مئی میں ادا ہوتے ہیں اور پھر مئی کے بِل جو جون میں ادا ہوتے ہیں وہ درحقیقت نئے مالی سال کے پہلے مہینہ کی آمد میں سے ادا کیے جاتے ہیں۔ اِس لحاظ سے اب جنوری میں جو بِل ادا ہوں گے وہ اصل میں دسمبر کے ہوں گے اور اس وقت تک صرف نومبر کے بِل ادا ہوئے ہیں اور وہ بھی پچاس ہزار روپیہ قرض لے کر۔ گویا مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر اور نومبر صرف سات ماہ کا خرچ ہم اپنی آمد سے ادا کر سکے ہیں اور وہ بھی اِس صورت میں ادا کر سکے ہیں جبکہ پچاس ہزار روپیہ دوسری جگہوں سے قرض لیا گیا ہے۔ اب قریباً چار مہینے کی آمد

باقی ہے اور پانچ مہینے کا خرچ باقی ہے۔ لیکن جو آمد باقی ہے اگر احباب اُس کے ادا کرنے سے اِس لیے غفلت نہ برتیں کہ اَب نیا سال شروع ہو گیا ہے اور جو گزشتہ بقائے پندرھویں اور سولھویں سال کے ہیں یا دورِ دوم کے پانچویں اور چھٹے سال کے ہیں وہ بھی احباب ادا کر دیں تو اُمید کی جاتی ہے کہ اِس سال کا خرچ نکل جائے گا لیکن پچاس ہزار روپیہ کا بار پھر بھی رہے گا۔ ہاں! اگر گزشتہ سالوں کے سارے بقائے ادا کرنے کی جماعت کو توفیق مل جائے تو یہ پچاس ہزار کا بار اور پچھلے سال کا اٹھارہ ہزار کا بار گویا ستّر ہزار کے قریب تحریک جدید پر جو بار ہے وہ سب کا سب دور ہو جائے گا۔

یہ لازمی بات ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ہر سال اپنے کام کو بڑھانا پڑے گا اور اگر ہر سال ہم اپنے کام کو بڑھانا چاہتے ہیں تو ہمیں خرچ بھی ہر سال زیادہ کرنا پڑے گا۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ چندے کے علاوہ بھی بعض اَور ذرائع ہوتے ہیں جن سے آمد پیدا کی جاتی ہے لیکن ہمارے کارکنوں کو ابھی ویسی مشق نہیں اس لیے ابھی وہ ان ذرائع کو اختیار نہیں کر سکے یا سُستی کر جاتے ہیں یا اختیار کرتے ہیں تو ناکام رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ انہی ذرائع سے دوسری قومیں اور افراد اپنی مالی حالت کو درست کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ کوتاہی جو ہم میں ہے اور جو درحقیقت سارے ہی مسلمانوں میں ہے اِس کی وجہ یہ ہے کہ چار پانچ سو سال سے حکومت، تجارت اور صنعت وحرفت وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلتی چلی گئی ہیں اور اَب غیر قومیں اِس میدان میں بہت آگے نکل گئی ہیں لیکن بہرحال اپنی سُستی اور عدم توجّہی کے نتیجہ میں مسلمانوں نے جو حالات پیدا کیے ہیں اَب وہ بہت بڑی جدوجہد سے ہی دور ہو سکتے ہیں۔ صرف ارادہ اور معمولی کوشش سے دور نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ چیز وقت چاہتی ہے اور پھر عزم چاہتی ہے۔ جب تک تحریک جدید کے کارکنوں میں یہ عزم پیدا نہ ہو جائے اور جب تک ان میں سے ایک طبقہ کو صحیح جدوجہد کے کرنے کی توفیق نہ مل جائے اُس وقت تک کامل انحصار بہرحال چندہ پر ہی رکھنا پڑے گا۔ کچھ کچھ جماعت میں تجارتی ذہنیت آرہی ہے لیکن ابھی وہ اِس حد تک نہیں آئی کہ ہم اسے اپنی آمد کا ایک بڑا منبع سمجھ لیں۔ وہ ایک چھوٹا سا منبع تو ہو گیا ہے لیکن اگر صحیح جدوجہد کی جائے اور پوری توجہ سے کام کیا جائے تو یقیناً تجارت اور زراعت وغیرہ سلسلہ کی آمد اور افرادِ سلسلہ کی آمد کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ لیکن جب تک وہ نہیں بنتے ہمیں جماعت سے یہی کہنا پڑے گا کہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرو۔ جو وعدے گزشتہ سالوں کے

ابھی تک تم نے پورے نہیں کیے اُن کو جس طرح بھی ہو سکے پورا کرو اور آئندہ کے لیے اپنے وعدوں کو سال بہ سال ادا کرنے کی کوشش کرو۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اِس سال تحریک جدید پر اس قدر مالی بوجھ آ پڑا ہے کہ دورِ دوم کی آمد جو ریزرو فنڈ کے طور پر ہمیں محفوظ رکھنی چاہیے تھی وہ اس سال ریزرو فنڈ میں نہیں جا سکی بلکہ ساری کی ساری خرچ ہوگئی ہے۔ مگر باوجود دونوں سالوں کی آمد کے خرچ ہو جانے کے پچاس ہزار روپیہ قرض لیا گیا ہے بلکہ دونوں دوروں کے قرض کو ملا کر یہ رقم اَسّی ہزار کے قریب بن جاتی ہے۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ابھی بہت سے بقائے وصول ہونے باقی ہیں لیکن پانچ ماہ کے اخراجات بھی باقی ہیں۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر بقائے ادا ہو جائیں اور ہم اس سے پانچ ماہ کے اخراجات تنگی سے گزارہ کر کے پورے بھی کر لیں تب بھی پچاس ہزار روپیہ قرض باقی رہے گا۔ پس دوستوں کو اپنے بقائے جلد سے جلد ادا کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

میں دیکھتا ہوں کہ جب بھی نئے سال کی تحریک ہوتی ہے بعض دوست یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اَب نئی تحریک شروع ہوگئی ہے اور پرانی ختم ہوگئی ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وعدہ پورا کرنے میں دیر کرنا انسان کو اُس وعدہ سے آزاد نہیں کر دیتا بلکہ اسے زیادہ مجرم بنا دیتا ہے مگر بعض لوگوں کی یہ ذہنیت ہوگئی ہے کہ وہ نئے سال کی تحریک پر پچھلے سال کی تحریک کے وعدوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ مثلاً پچھلے سال اگر انہوں نے پچاس کا وعدہ کیا تھا اور وہ وعدہ ابھی انہوں نے پورا نہیں کیا تھا تو نئے سال کی تحریک ہونے پر وہ فوراً پچھتّر کا وعدہ کر دیں گے اور یہ وعدہ کرتے وقت اُن کا دل اِتنا خوش ہوتا ہے کہ وہ اِسی خوشی میں گزشتہ سال کے وعدہ کو بالکل بھول جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پچھلا سال تو گیا اِس سال ہم پچھتّر روپے ادا کر دیں گے۔ پھر پچھتّر بھی ادا نہیں کرتے اور اُس سے اگلا سال شروع ہو جاتا ہے۔ اِس پر وہ پھر سو روپیہ کا وعدہ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ خدا تعالیٰ نے ہمیں پچھلے سال سے بڑھ کر چندہ لکھوانے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ وہ پچھلے پچاس اور پچھتّر بھی ادا کریں۔ اِس قسم کی ذہنیت والے آدمی ہی ہیں جو درحقیقت کام کو نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ وعدے کرتے ہیں اور پھر اُن وعدوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حضور بھی سرخرو ہوتے ہیں اور دین کے کام میں بھی مددگار بنتے ہیں۔ پس ایسے افراد کو بھی

میں توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں۔ اور چونکہ جماعتوں پر اس قسم کے افراد کی ذمہ داری ہوتی ہے اور جب تک کسی جماعت میں نقص واقع نہ ہو اُس وقت تک اُس کے افراد میں یہ ذہنیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس لیے میں جماعتوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے بقایا داروں کو اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلائیں، انہیں نصیحت کریں اور سمجھائیں۔

اور یاد رکھیں کہ احمدی ہونا آسان نہیں۔ جو شخص احمدی ہوتا ہے وہ یہ سمجھ کر ہوتا ہے کہ مجھے مخالفتیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی، تکلیفیں بھی سہنی پڑیں گی اور قربانیاں بھی کرنی پڑیں گی۔ پس وہ ایمان کی وجہ سے احمدیت میں داخل ہوتا ہے اور ایمان دار کو اُس کی غفلت پر متنبہ کر دینا بالکل آسان ہوتا ہے۔ اگر اس میں سُستی پائی جاتی ہے یا غفلت پائی جاتی ہے اور ایمان اس کے دل میں موجود ہے تو توجہ دلانے پر وہ فوراً اپنی اصلاح کرلے گا اور کام میں جو حرج واقع ہو رہا ہوگا وہ دور ہو جائے گا۔

اِس کے بعد میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وعدے تو آ رہے ہیں اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ آئیں گے مگر جیسا کہ میں نے بتایا ہے اَب کام بڑھ رہا ہے اور وہ جو تحریک جدید کی آمد سے جائداد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی اُس میں سے بھی سات آٹھ لاکھ روپیہ ابھی قرض باقی ہے۔ دوست چونکہ بھول جاتے ہیں اس لیے انہیں بار بار بتانا پڑتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تحریک جدید کے لیے ریزرو فنڈ قائم کرنے کی خاطر سندھ میں دس ہزار ایکڑ یعنی چار سو مربع زمین خریدی گئی ہے۔ اس زمین کی قیمت جو ادا کی گئی ہے وہ مختلف زمانوں میں مختلف ہوتی رہی ہے۔ چونکہ ہم یکدم قیمت نہیں دے سکتے تھے اس لیے ہمیں تاخیری قیمت دینی پڑی تھی جو اَصل قیمت سے زیادہ تھی۔ جیسے مشینوں کی فروخت کے متعلق دستور ہوتا ہے کہ اگر نقد قیمت ادا کی جائے تو مثلاً سو روپیہ دینا پڑتا ہے اور اگر قسطوں میں ادا کی جائے تو سوا سو دینا پڑتا ہے۔ ہم نے بھی اس زمین کی قسط وار قیمت ادا کی ہے۔ بعض جگہ سَوا دو سو روپیہ فی ایکڑ، بعض جگہ اڑھائی سو روپیہ فی ایکڑ، بعض جگہ تین سو روپیہ فی ایکڑ اور بعض جگہ تین سو ساٹھ روپیہ فی ایکڑ۔ اِس طرح ہماری اوسط قیمت فی ایکڑ اڑھائی سو روپیہ کے قریب پڑی ہے اور یہ سارا سودا پچیس لاکھ روپیہ کا ہے۔ بلکہ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ تیس لاکھ کے قریب کا یہ سودا ہے لیکن چندوں کے ذریعہ اِس کی جو رقم ادا ہوئی ہے وہ کوئی دس بارہ لاکھ کے قریب ہے اور آٹھ لاکھ کے قریب قرضہ لے کر ادا کی گئی ہے جس میں خلافت جوبلی فنڈ کا بھی روپیہ ہے۔ اُس وقت یہ سمجھ کر کہ یہ کام

ضروری ہے میں نے خلافت جوبلی فنڈ سے روپیہ نکالنے کی اجازت دے دی تھی۔ جب تحریک یہ روپیہ واپس کرے گی تو پھر خلافت جوبلی فنڈ قائم ہو جائے گا۔ بہرحال اکیس لاکھ کے قریب تو یہ ہوا اور سات آٹھ لاکھ روپیہ وہ ہے جو ان زمینوں کی آمد سے ادا ہوا۔ اِس وقت اس زمین کی اوسط قیمت تین سو روپیہ فی ایکڑ سمجھنی چاہیے۔ یہاں تو فی ایکڑ ایک ہزار روپیہ سے دو ہزار روپیہ تک بھی قیمت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قیمت مل جاتی ہے۔ اگر وہاں بھی کسی وقت یہی قیمت ہو جائے تو ایک ہزار روپیہ فی ایکڑ کے لحاظ سے ایک کروڑ اور دو ہزار روپیہ فی ایکڑ کے لحاظ سے دو کروڑ روپیہ کی وہ جائداد بن جاتی ہے اور اس طرح تحریک جدید کا دو کروڑ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن سرِ دست ہم اس کا صحیح انتظام نہیں چلا سکے۔ بعض سالوں میں ہمیں قرض لے کر کام کرنا پڑا ہے۔ اِس سال بھی پچیس ہزار روپیہ قرض لیا گیا ہے لیکن بعض سالوں میں آمد بھی ہوئی ہے جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ چھ سات لاکھ روپیہ اس کی آمد میں سے خرچ کیا گیا ہے۔ بہرحال اگر یہ زمین صحیح طور پر آمد دینے لگ جائے اور قرض ادا ہونے کے بعد اس سے ایک ریزرو فنڈ قائم ہو جائے تو خطرہ کے موقع پر ہمیں اس طرح اعلان نہ کرنا پڑے جس طرح مجھے گزشتہ سال اخباروں میں بار بار اعلان کرنا پڑا کہ دوستوں کو جلدی اپنے وعدے ادا کرنے چاہییں ورنہ سلسلہ کے کاموں میں تعطل واقع ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں آسانی سے لاکھ دو لاکھ روپیہ وہاں سے لیا جا سکتا ہے اور سلسلہ کے کاموں میں کوئی حرج واقع نہیں ہو سکتا لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کامیابی کے آثار نظر آ رہے ہیں اور کام پہلے سے بہتر ہوتا جا رہا ہے لیکن ابھی بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ مگر یہی کام کافی نہیں۔ بڑی چیز یہ ہے کہ جہاں جہاں ہم اپنے مشن قائم کریں وہاں ہمارا اپنا مکان اور اپنی مسجد بھی ہو اِس کے بغیر کبھی بھی صحیح طور پر کام نہیں ہو سکتا۔ اب ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے ایک مشنری نے کوئی مکان کرایہ پر لیا ہوا ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد اُسے نوٹس مل جاتا ہے کہ مکان خالی کرو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس مکان کو روشناس کرنے میں جو وقت اور روپیہ صَرف ہو چکا ہوتا ہے وہ سارے کا سارا ضائع چلا جاتا ہے اور پھر وہ مبلّغ کسی اَور مکان میں چلا جاتا ہے جس کی طرف لوگوں کو کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ تبلیغ کا کام صحیح طور پر تبھی چل سکتا ہے جب اپنی جگہ ہو۔ انگلستان میں اگرچہ دین کی طرف رغبت لوگوں کو کم ہے لیکن چونکہ ہمارا وہاں اپنا مکان ہے اور اپنی مسجد ہے اور دیر سے مشن قائم ہے اس لیے ہمارا وہاں کافی رسوخ ہے، وزراء تک وہاں آتے ہیں۔ اور اگر کسی معاملہ میں اُن

سے پروٹسٹ کیا جائے یا ملاقات کی جائے تو وہ ہمارا ادب بھی کرتے ہیں، لحاظ بھی کرتے ہیں، جواب بھی دیتے ہیں اور خوش کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں ہماری دیر سے مسجد موجود ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہاں ڈیرہ قائم ہو چکا ہے لیکن جہاں یہ ڈیرے قائم نہیں وہاں بڑی دقّتیں پیش آتی ہیں۔

پس جہاں جہاں ہم مشن کھولنا چاہتے ہیں ضروری ہے کہ وہاں کم از کم کسی ایک شہر میں جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو ہمارا اپنا مکان ہو۔ لیکن یورپین ملکوں میں ایک ایک مکان کے لیے لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ابھی ہم نے واشنگٹن میں مرکز کے لیے ایک مکان خریدا ہے جس پر بیالیس ہزار ڈالر خرچ آیا ہے۔ بیالیس ہزار ڈالر کے معنے ہیں ایک لاکھ پینتالیس ہزار روپیہ۔ اور یہ روپیہ صرف مکان خریدنے پر خرچ ہوا ہے۔ اگر ہم مسجد بنائیں تو قریباً ستّر، اسّی ہزار روپیہ اَور خرچ ہوگا مگر جماعت کے چندہ کی یہ حالت ہے کہ دوستوں میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی تحریک کی گئی تو آیا صرف چالیس ہزار، باقی روپیہ اِدھر اُدھر سے قرض لے کر پورا کیا گیا ہے۔ بعض قرض دینے والوں سے تو ہم شرمندہ بھی ہیں اور ایک دوست سے صرف چھ ماہ کے وعدے پر قرض لیا گیا تھا مگر وقت گزر گیا اور روپیہ ادا نہ ہوسکا۔ انہیں بھی ضرورت تھی۔ آخر انجمن نے مجھے لکھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم وہی مکان رِگرو رکھ کر اُن کا روپیہ ادا کر دیں؟ میں نے کہا کہ بیشک مکان رِگرو رکھ دو اور اُن کا روپیہ ادا کر دو۔ اب یہ ہے تو بڑے شرم کی بات کہ جو مکان مسجد کے لیے خریدا گیا تھا اُس کو رِگرو رکھنے کی اجازت دے دی جائے مگر یہ صورتِ حالات اس لیے پیدا ہوئی کہ اتنے اہم کام کی طرف جماعت نے اِتنی کم توجہ کی کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی تحریک کی گئی اور چندہ چالیس ہزار روپیہ آیا۔

ہالینڈ کی مسجد کے متعلق عورتوں میں تحریک کی گئی تھی انہوں نے مردوں سے زیادہ قربانی کا ثبوت دیا ہے۔ گو ان کی تحریک بھی چھوٹی تھی۔ عورت کی آمدن ہمارے ملک میں تو کوئی ہوتی ہی نہیں۔ اگر اسلامی قانون کو دیکھا جائے تو عورت کی آمد مرد سے آدھی ہی چاہیے کیونکہ شریعت نے عورت کے لیے آدھا حصہ مقرر کیا ہے اور مرد کے لیے پورا حصّہ۔ پس اگر مردوں نے چالیس ہزار روپیہ دیا تھا تو چاہیے تھا کہ عورتیں بیس ہزار روپیہ دیتیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مردوں نے اگر ایک روپیہ چندہ دیا ہے تو عورتوں نے سوا روپے کے قریب دیا ہے۔ انہوں نے زمین کی قیمت ادا کر دی ہے اور ابھی

چھ سات ہزار روپیہ ان کا جمع ہے جس میں اَور روپیہ ڈال کر ہالینڈ کی مسجد بنے گی۔ پھر یہ چندہ انہوں نے ایسے وقت میں دیا ہے جبکہ لجنہ کا دفتر بنانے کے لیے بھی انہوں نے چودہ پندرہ ہزار روپیہ جمع کیا تھا۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جتنا جتنا کسی کے پاس روپیہ کم ہوتا ہے اُتنا ہی اُس کا حوصلہ زیادہ ہوتا ہے۔ مردوں کے پاس چونکہ روپیہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے اُن کا حوصلہ کم ہوتا ہے لیکن عورتوں کے پاس چونکہ روپیہ کم ہوتا ہے اِس لیے وہ کہتی ہیں کہ روپیہ تو یوں بھی ہمارے پاس ہے نہیں چلو جو کچھ ملتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے رستہ میں ہی قربان کر کے اُس کی رضا حاصل کریں۔ مگر جس کے پاس روپیہ ہوتا ہے وہ کہتا ہے میرا فلاں کام بھی پڑا ہے اس کے لیے مجھے دس روپے چاہییں، فلاں کام پڑا ہے اس کے لیے بیس روپے چاہییں۔ غرض ہمارا تجربہ ہمیشہ بتاتا ہے کہ عورت اپنی توفیق اور ہمت سے بہت زیادہ قربانی کرتی ہے اور مرد اپنی توفیق اور ہمت سے کم قربانی کرتا ہے۔ بیشک ایسے مرد بھی موجود ہیں جو اپنی توفیق اور ہمت سے بہت زیادہ قربانی کرنے والے ہیں لیکن اگر اکثریت کو دیکھا جائے تو عورت کا پلّہ بھاری نظر آتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی جب خاص قربانی کی ضرورت ہوا کرتی تھی تو آپؐ عورتوں سے ہی اپیل کیا کرتے تھے کیونکہ آپؐ سمجھتے تھے کہ عورت جذباتی ہوتی ہے۔ جب قربانی کرنے پر آجائے تو وہ غیر معمولی طور پر قربانی کر جاتی ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کچھ ضرورت پیش آئی تو آپؐ نے عید کی نماز کے بعد عورتوں میں تحریک کی اور انہوں نے اپنے زیور اُتار کر چندہ میں دینے شروع کر دیئے۔ یوں تو عورت کو سب سے زیادہ زیور ہی پسند ہوتے ہیں کیونکہ وہی اس کی جائداد ہوتے ہیں لیکن جب اسے جوش آجائے تو پھر وہ اسی زیور کو جو اُسے محبوب ہوتا ہے اُتار کر پھینک دیتی ہے۔ عورتوں نے اِسی طرح کیا اور زیور اُتار اُتار کر دینے شروع کر دیئے مگر چونکہ اکثر غریب عورتیں تھیں اس لیے ان کے پاس کم قیمت زیور تھے۔ کسی نے چھلّہ دے دیا، کسی نے مُرکی دے دی اور کسی نے اِسی قسم کی کوئی اَور چیز دے دی۔ ایک صحابیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زیور اکٹھا کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ جھولی پھیلائے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے اور عورتیں گھونگٹ نکالے بیٹھی تھیں۔ اِتنے میں ایک امیر گھرانے کی لڑکی نے سونے کا کڑا اپنے ہاتھ سے اُتارا اور اُس کی جھولی میں ڈال دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب دیکھا کہ اُس نے بڑی بھاری رقم

خدا تعالیٰ کی راہ میں دی ہے تو آپ نے فرمایا تیرا دوسرا ہاتھ بھی درخواست کرتا ہے کہ تُو اسے دوزخ سے بچا۔ اِس پر اُس نے اپنا دوسرا کڑا بھی اُتار کر دے دیا۔ 1

تو عورتوں میں مَیں نے دیکھا ہے کہ ان میں قربانی کا مادہ مردوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ کچھ جذباتی ہونے کی وجہ سے اور کچھ یہ خدائی قانون ہے کہ روپیہ جتنا کم ہوا ُتنی ہی ہمت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور جتنا زیادہ روپیہ ہوا ُتنے ہی تفکّرات زیادہ ہو جاتے ہیں کہ فلاں کام بھی ہو جائے، فلاں کام بھی ہو جائے۔ چونکہ عورت کے پاس روپیہ کم ہوتا ہے اس لیے وہ قربانی میں مردوں سے آگے نکل جاتی ہے۔ لیکن اِس واقعہ کو بدلنا بھی ہمارے اختیار میں ہے۔ بیشک واقع یہی ہے کہ عورتیں زیادہ قربانی کرتی ہیں لیکن یہ خدا تعالیٰ کا کوئی اٹل فیصلہ نہیں کہ وہی زیادہ قربانی کریں گی مرد زیادہ قربانی نہیں کر سکتے۔ یہ صرف ایک کمزوری اور ضُعف کی علامت ہے جسے کوشش کے ساتھ دُور کیا جا سکتا ہے۔ اگر عورت اپنی طبعی کمزوری اور فطری ضُعف کے باوجود قربانی کے میدان میں آگے نکل جاتی ہے تو مرد کیوں اپنی کمزوری کو دور نہیں کر سکتے؟ جب مردوں کو جائداد میں سے دُہرا حصہ ملتا ہے تو انہیں ہمت بھی دُگنی دکھانی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں دو روپے دیئے ہیں مگر چندہ دیتے وقت وہ عورت کے مقابلہ میں اُٹھنّی دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ مردوں اور عورتوں کے مجموعی چندوں کو اگر دیکھا جائے تو مردوں کا چندہ زیادہ ہوتا ہے لیکن نسبتی لحاظ سے چندہ دیتے وقت اگر عورت ایک روپیہ دینے کا حوصلہ رکھتی ہے تو مرد اُٹھنّی دینا چاہتے ہیں حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ مرد اُس کے ایک روپیہ کے مقابلہ میں دو بلکہ چار روپے دینے کا حوصلہ رکھتے۔ بہرحال اِس چیز کو بدلنا ہمارے اختیار میں ہے۔ اگر ہم جدوجہد کریں، خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کریں، اُس کے حضور استغفار سے کام لیں اور اُس سے دعا کریں کہ الٰہی! تُو نے ہمیں طاقت زیادہ دی ہے لیکن ہم میں حوصلہ کم ہے۔ تُو ہماری اِس کمزوری اور ضُعف اور غفلت کو دور فرما اور جس طرح تُو نے ہمیں عورت پر درجہ کے لحاظ سے فضیلت دی ہے اُسی طرح تُو ہمیں عورت پر قربانی کے لحاظ سے بھی فضیلت دے۔ تو یقیناً خدا تعالیٰ ہماری سنے گا اور وہ ہم میں بھی قربانی کی زیادہ روح پیدا کر دے گا۔

پس یہ کام ایسے ہیں جو بہت سے اخراجات چاہتے ہیں۔ پھر لٹریچر ہے۔ دنیا میں پانچ سات ہزار زبان ہے لیکن صرف آٹھ دس زبانوں میں احمدیت کا لٹریچر ہے۔ عیسائیوں نے قریباً ہر زبان میں

اپنے لٹریچر کا ترجمہ کر دیا ہے۔ یہ کام بھی ہم سے بہت بڑے اخراجات کا مطالبہ کرتا ہے۔ غرض ایک بہت وسیع کام ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ مگر ہمارا سالانہ بجٹ جب ہمارے روزمرّہ کے اخراجات کے لیے بھی کافی نہیں ہوسکتا تو ہمارے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم ایک کروڑ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم کریں تا کہ کسی حادثہ اور مصیبت کے وقت اگر خدانخواستہ ہمارے چندے مرکز کی عارضی ضرورت کو پورا نہ کرسکیں تو وہ ریزرو فنڈ کی آمد سے پوری ہو سکے اور سلسلہ کے کاموں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

آج سے چالیس یا پچاس سال کے بعد جب ہماری جماعت ترقی کر جائے گی اور بڑے بڑے امراء ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے تو اُس وقت لوگ جب میرے اِس خطبہ کو پڑھیں گے تو وہ حیران ہوں گے کہ ہمارا خلیفہ جو موعود خلیفہ تھا، جو مصلح موعود تھا اِتنا چھوٹا حوصلہ رکھتا تھا کہ پہلے اُس نے تیس لاکھ کا ریزرو فنڈ قائم کیا اور پھر اُس نے کہا کہ اَب ہمیں ایک کروڑ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم کرنا چاہیے۔ وہ حیران ہوں گے کہ کیا یہ بھی کوئی روپیہ ہے جس کا اتنے بڑے خلیفہ نے مطالبہ کیا تھا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے ایک دفعہ روپیہ کے لیے اعلان کیا تو مسٹر ماریسن2 نے فوراً پندرہ لاکھ روپیہ کا چندہ پیش کر دیا، راک فیلر3 راشیلڈ4 وغیرہ نے چھ چھ، سات سات کروڑ روپیہ چندہ دیا ہے۔ پس جب وہ میرے اس خطبہ کو پڑھیں گے تو حیران ہوں گے اور وہ اس تھوڑے سے روپیہ کو ہمارے حوصلہ اور عزم کی کمی پر محمول کریں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی جماعت کی موجودہ حالت کے لحاظ سے کہہ رہے ہیں ورنہ ہم بھی جانتے ہیں کہ جو عظیم الشان کام ہم نے سرانجام دینا ہے اُس کے لیے کروڑوں ہی نہیں اَربوں روپیہ کی ضرورت ہے۔ لیکن اِس وقت ہماری نگاہ میں وہی روپیہ بڑی قیمت رکھتا ہے جو ہماری جماعت اپنی غربت کی حالت میں پیش کر رہی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اُس عورت نے اپنے کپڑے اُتار کر دے دیئے تھے تو اُس وقت یہی سمجھا گیا تھا کہ اس نے بہت بڑی قربانی کی ہے اور حقیقتاً اس کی قربانی بڑی تھی۔ لیکن وہ کپڑے آخر کتنے روپوں کے ہوں گے؟ زیادہ سے زیادہ وہ سات سو یا ہزار روپیہ کے ہوں گے لیکن بعد میں مسلمانوں کے پاس اِتنی دولت آئی کہ سات سو یا ہزار اُن کی نگاہ میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا تھا۔

خود ہمارا ملک اگرچہ ایک غریب ملک ہے مگر اِس غریب ملک کا ہندو بھی اِتنا مالدار تھا کہ ایک دفعہ میں بمبئی گیا تو میں نے چاہا کہ کچھ کپڑا بھی خرید لوں۔ میں نے دیکھا کہ دکاندار کے سامنے

ایک گاہک بیٹھا تھا۔ وہ دکاندار اُس سے لمبی بحث میں لگا ہوا تھا۔ مجھے طبعاً یہ بُرا محسوس ہوا۔ اُس دکاندار نے مجھے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ہمارے ہاں صرف ایک قیمت ہوتی ہے۔ آپ اپنی مستورات کو سمجھا دیں کہ وہ قیمت کے بارہ میں کوئی تردّد نہ کریں۔ اُس دوسرے شخص نے ایک سو دس روپے کا سودا خریدا اور بڑی بحث کے بعد سو روپیہ دے کر چلا گیا۔ میں نے اُس دکاندار سے ہنس کر کہا کہ آپ تو کہتے تھے ہمارے ہاں ایک ہی قیمت ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگا قیمت تو ایک ہی ہوتی ہے لیکن اگر کوئی شخص میرا مال اُٹھا کر لے جائے اور میں اسے معزز آدمی سمجھ کر چھوڑ دوں تو یہ بالکل اَور چیز ہوگی۔ پھر اُس نے کہا آپ نہیں جانتے یہ فلاں شخص ہے اور یہ اتنا بڑا تاجر ہے کہ بمبئی میں اِس کی کئی کپڑے کی ملز ہیں مگر یہ آدھ گھنٹہ مجھ سے یہی بحث کرتا رہا کہ میں کپڑے کی قیمت کم کر دوں۔ حالانکہ یہ اس آدھ گھنٹہ میں ایک لاکھ روپیہ کما سکتا تھا اور پھر اتنی بحث کے بعد بھی جب میں نے نہ مانا تو ایک سو دس روپیہ کی بجائے سو روپیہ دے کر چلا گیا۔ پھر اُس نے کہا میں اس شخص کی ماں کو جانتا ہوں وہ ہر روز جب کھانا کھانے کے لیے آتی ہے تو اُس کے سامنے پانچ سو روپیہ کا ڈھیر لگا دیا جاتا ہے اور وہ اپنے پاؤں سے اُس ڈھیر کو چُھو دیتی ہے۔ اس کے بعد وہ تمام روپیہ غریبوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ گویا اُدھر تو اِس کی یہ حالت ہے کہ پانچ سو روپیہ روزانہ یعنی ایک لاکھ اَسّی ہزار روپیہ سالانہ صرف اپنی ماں کے پاؤں چُھونے کی وجہ سے غریبوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اِدھر دس روپیہ کے فائدہ کے لیے اُس نے آپ کا وقت الگ ضائع کیا اور مجھے الگ پریشان کیا اور آخر سو روپیہ دے کر چلا گیا اور وہ بڑا خوش ہے کہ میں نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ اب بتائیے ایسے شخص کا ہم کیا علاج کر سکتے ہیں۔ غرض ہندوستان جیسے غریب ملک میں جو ایک زمانہ میں انگریزوں کے ماتحت تھا ایسے ایسے لوگ موجود تھے جو صرف اپنی ماں کے پاؤں چُھونے کی وجہ سے ایک لاکھ اَسّی ہزار روپیہ سالانہ غریبوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ جو دوسرے مواقع پر وہ صدقہ وخیرات دیتا ہوگا وہ تو کئی لاکھ تک جا پہنچتا ہوگا۔ یہ تو ہندوستان جیسے غریب ملک کا حال ہے دوسرے ممالک کے امراء تو کروڑوں کروڑ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ خود مسلمانوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اگر چاہیں تو دو دو، چار چار، پانچ پانچ لاکھ روپیہ آسانی سے دے سکتے ہیں۔

پس بیشک بعد میں بڑے بڑے امراء آئیں گے لیکن یہ زمانہ ہماری کمزوری کا زمانہ ہے۔

اِس وقت ہماری جماعت کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایک کروڑ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم کر دے۔ بیشک ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بعض امراء حیران ہوں گے کہ کیا ہماری جماعت اتنی کمزور تھی کہ اتنا بڑا خلیفہ صرف ایک کروڑ روپیہ کو اپنا بڑا مقصد قرار دیتا تھا؟ لیکن ہمارا روپیہ ہمارے دل اور جگر کا خون ہو گا اور اُن کا روپیہ اُن کے دل اور جگر کا خون نہیں ہو گا بلکہ وہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنی جیب میں سے نکال کر دے دیں گے اور انہیں کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں ہو گی۔ پس ہمارے کروڑ اور اُن کے کروڑ میں فرق ہے۔

مجھے اِس موقع پر ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک شخص جو غریب مستری تھا ترقی کرتے کرتے انجینیر بن گیا اور آخر میں ''خاں صاحب'' کا خطاب بھی اسے مل گیا۔ اُس میں خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی قوم چھپاتا نہیں تھا اور صاف طور پر کہہ دیتا تھا کہ ہم لوہار ہوا کرتے تھے۔ اب میں نے سنا ہے کہ وہ اپنی قومیت چھپانے لگ گیا ہے۔ بہرحال اُس نے سنایا کہ ایک بڑا زمیندار جو اپنے علاقہ کا رئیس تھا اُس نے ایک دفعہ میری دعوت کی۔ اُسے بھی گورنمنٹ کی طرف سے خاں صاحب کا خطاب ملا ہوا تھا۔ مرد تو جانتے ہیں کہ عزت خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے اِس پر فخر نہیں کرنا چاہیے مگر عورتوں میں یہ بات نہیں ہوتی۔ وہ خیال کرتی ہیں کہ جو عزت ہمیں ملی ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔ بہرحال اُس نے بتایا کہ خاں صاحب نے میری دعوت کی۔ اَور کئی لوگوں کو اُس نے بلایا ہوا تھا۔ جب ہم کھانا کھانے بیٹھے تو وہ کہنے لگا خاں صاحب! آج ہمارے گھر میں لطیفہ ہو گیا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا ہوا تھا کہ آج فلاں خاں صاحب کی دعوت ہے۔ جب میں اندر گیا تو میری بیوی مجھے کہنے لگی آپ تو کہتے تھے کہ خاں صاحب کی دعوت ہے اور میں نے سنا ہے کہ یہ جس کی آپ دعوت کر رہے ہیں ہمارے مستریوں کا لڑکا ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے وہ مستریوں کا ہی لڑکا ہے۔ کہنے لگی ''پھر مستریاں دے منڈے نوں خاں صاحب کس نے بنا دتا ہے''؟ یعنی پھر مستریوں کے لڑکے کو خان صاحب کس نے بنا دیا ہے؟ میں نے کہا گورنمنٹ نے بنا دیا ہے اَور کس نے؟ وہ کہنے لگی ''گورنمنٹ عجیب پاگل ہے، نالے تُسّیں خاں صاحب نالے اوہ خاں صاحب'' اِس پر میں نے اُسے سمجھانے کے لیے ہنس کر کہا کہ یہ کونسی تعجب کی بات ہے۔ دیکھو! زمینداروں کا بھی چودھری ہوتا ہے اور چوہڑوں کا بھی چودھری ہوتا ہے ''ایہہ مستریاں دا خاں صاحب ہے، میں زمینداراں دا خاں صاحب ہاں'' یعنی وہ مستریوں کا

خاں صاحب ہے اور میں زمینداروں کا خاں صاحب ہوں۔اس پر وہ خاموش ہوگئی۔

تو یہ حالات بہرحال بدلیں گے۔ایک جیسی حالت کسی قوم پر ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔مگر آنے والے امراء کا روپیہ دریا میں سے ایک قطرہ ہوگا اور ہمارا روپیہ وہ ہے جو ہم خونِ دل اور خونِ جگر کے ساتھ جمع کر رہے ہیں۔اور قطرہ میں سے دریا کا رنگ رکھتا ہے۔پس اُن کا حیران ہونا کہ کسی وقت ہماری جماعت کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ ایک کروڑ روپیہ جمع کرنا بھی بڑی بات سمجھی جاتی تھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔مگر اُس وقت کے آنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم حُسنِ تدبیر سے اور عقل سے اور قربانی سے کام لیں اور اپنے نفس پر بوجھ ڈال کر چندوں میں ایسی باقاعدگی اختیار کریں کہ سالانہ اخراجات کو پورا کرنے کے علاوہ ہم مستقل طور پر ایک کروڑ کا ریزرو فنڈ قائم کرسکیں تاکہ مشکل کے وقت اس کی آمد ہمارے کام آئے۔جیسے میں نے بتایا ہے ہم نے مسجد کے لیے زمین خریدی تو ایک دوست سے قرض لے کر اور اَب ہم شرمندہ ہیں کہ قرض واپس نہیں کر سکے۔اگر ریزرو فنڈ قائم ہوتا تو ہمیں کوئی مشکل پیش نہ آتی۔ہم یہ قرض وہاں سے ادا کر دیتے اور جماعت سے آہستہ آہستہ چندہ وصول کرتے رہتے۔پس یہ بھی ایک جائداد ہے جو تحریک جدید کے چندہ سے قائم ہوئی ہے۔ابھی وہ ابتدائی حالت میں ہے لیکن اس کو بڑھانے اور مضبوط بنانے کے لیے ضروری ہے کہ تحریک جدید کے چندہ کو زیادہ منظّم اور باقاعدہ کیا جائے اور اِس کی وصولی کے لیے زور دیا جائے۔اس سال کے تحریک جدید کے وعدوں کے لیے میں نے وقت کا اعلان نہیں کیا تھا۔اَب میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ تحریک جدید کے وعدوں کی آخری میعاد مغربی پاکستان والوں کے لیے 15 فروری ہوگی، ایسٹ پاکستان اور ہندوستان سے آنے والے وعدوں کے لیے آخری تاریخ 10 مارچ ہوگی اور پاکستان اور ہندوستان سے جو باہر کے ممالک ہیں مثلاً امریکہ ہے، انگلستان ہے، ایسٹ افریقہ ہے، ویسٹ افریقہ ہے یا اَور دوسرے ممالک ہیں اُن سب کے وعدوں کے لیے 10 مئی آخری تاریخ ہو گی۔

دوسری چیز جلسہ سالانہ ہے۔ ہمارا جلسہ سالانہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اَب بالکل قریب آ رہا ہے۔اس کے لیے ہمیں مکانوں کی بھی ضرورت ہے اور کام کرنے والے افراد کی بھی ضرورت ہے۔ مکانوں کی مشکلات چونکہ زیادہ ہیں اس لیے ہماری جماعت کے افراد کو یہاں اُس سے زیادہ قربانی کی

ضرورت ہے جتنی قربانی وہ قادیان میں کیا کرتے تھے۔ قادیان میں مکان زیادہ تھے اور تھوڑی سی قربانی سے آنے والے مہمانوں کو جگہ مل جاتی تھی مگر اَب مکانات ہمارے پاس کم ہیں اور آنے والے مہمانوں کی رہائش کے لیے ابھی زیادہ دقّتیں ہیں۔ پہلے سال تو یہاں صرف خیمے تھے، دوسرے سال کچھ خیموں میں گزارہ کیا گیا اور کچھ بیرکیں بن گئیں، تیسرے سال اَور تھوڑے خیمے ہو گئے۔ اکثر لوگوں کو بیرکوں میں ٹھہرایا گیا۔ اب بیرکوں کے علاوہ دوسرے مکانات بھی بن گئے ہیں لیکن پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بہت بڑی قربانی کر کے ہم مہمانوں کی رہائش کا انتظام کر سکیں گے۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں جلسہ سالانہ کے موقع پر مہمان نوازی کے فرائض سرانجام دینے والے کارکنان کی بھی ضرورت ہے۔ ان کا کام یہ ہوگا کہ وہ آنے والے مہمانوں کو کھانا کھلائیں اور ان کی مہمان نوازی کریں۔ ربوہ ابھی پوری طرح آباد نہیں ہوا۔ قادیان میں پندرہ ہزار کی آبادی تھی اور یہاں صرف اڑھائی، تین ہزار کی آبادی ہے۔ پس یہ قدرتی بات ہے کہ جس طرح پندرہ ہزار آدمی خدمت کر سکتے تھے اس طرح اڑھائی تین ہزار آدمی خدمت نہیں کر سکتے۔ پھر قادیان میں ہمیں یہ سہولت تھی کہ اُس وقت کالج ہمارے پاس تھا مگر اَب وہ لاہور میں ہے۔ اِسی طرح ہمارا اسکول بھی چنیوٹ میں ہے۔ بیشک جلسہ کے موقع پر بعض طالب علم آ جاتے ہیں مگر انہیں اُتنی سہولت نہیں ہوتی جتنی سہولت ہمیں قادیان میں ہوا کرتی تھی۔ پس دوستوں کو میں تحریک کرتا ہوں کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو خدمت کے لیے پیش کریں اور باہر کی جماعتوں سے بھی میں خواہش کرتا ہوں کہ وہ بھی اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں۔ وہ میزبان بھی ہوں گے اور مہمان بھی ہوں گے۔ انہیں کُلّی طور پر اپنے آپ کو مہمان نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ سمجھیں کہ وہ آدھے مہمان ہیں اور آدھے میزبان کیونکہ جلسہ سالانہ پر ہمیں بہت زیادہ کام کرنے والے افراد کی ضرورت ہے۔ پس بیرونی جماعتوں میں سے جو لوگ اپنے اندر طاقت اور ہمت رکھتے ہوں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے نام پیش کریں تا کہ جلسہ سالانہ کے موقع پر اُن سے مختلف خدمات لی جاسکیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی حاصل ہو۔

اِس کے علاوہ جلسہ سالانہ کے موقع پر حفاظت اور نگرانی کا کام بھی بڑا اہم ہوتا ہے اور آجکل کے حالات کے لحاظ سے تو وہ اَور بھی اہم ہو گیا ہے۔ پس میں یہ اعلان کرتا ہوں

کہ جماعتیں موزوں خدام کا انتخاب کر کے اُن کے نام خدام الاحمدیہ کے دفتر مرکزیہ میں پیش کریں تا کہ یہاں آنے پر اُن کو حفاظت اور نگرانی کے کام پر لگایا جاسکے۔ مگر یہ شرط ہوگی کہ کوئی احمدی خادم ایسا نہ ہو جو پانچ سال کا احمدی نہ ہو یا کسی احمدی کی نسل میں سے نہ ہو اور پھر اس کی سفارش جماعت کا پریذیڈنٹ کرے اور لکھے کہ یہ شخص اعتماد کے قابل ہے اسے حفاظت کے کام پر لگایا جائے۔ اِس غرض کے لیے کم سے کم پانچ سو والنٹیئرز ربوہ کا اور بیرونی جماعتوں کا ہونا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اڑھائی سو خدام یہاں سے لیے جاسکتے ہیں اور اڑھائی سو خدام کراچی، راولپنڈی، لاہور، ملتان، پشاور، سیالکوٹ، شیخوپورہ، منٹگمری، گوجرانوالہ، گجرات اور دوسری جماعتیں پیش کریں۔ ان خدام کا کام جلسہ گاہ کی حفاظت، رستوں کی حفاظت اور مہمانوں کی خدمت میں حصہ لینا ہوگا۔ میں اس موقع پر خدام الاحمدیہ کو بھی تحریک کرتا ہوں کہ وہ اپنے خدام والنٹیئرز دفتر خدام میں بھجوادیں اور یہاں کے خدام کو چاہیے کہ وہ خود اپنے آپ کو حفاظت اور پہرہ کے لیے پیش کریں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان خدام کو ڈبل کام کرنا پڑے گا کیونکہ ان کے سپرد مہمان نوازی کا بھی کام ہوگا اور حفاظت کا بھی کام ہوگا۔ پس ایسے ہی نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں جو ہمت والے ہوں، محنتی اور مستعد ہوں اور جو اِن دنوں جلسہ گاہ اور سڑکوں پر پہرہ بھی دیں اور مہمان نوازی کے فرائض بھی سرانجام دیں۔ تین چار دن انہیں کام کرنا پڑے گا اور یہ کوئی زیادہ عرصہ نہیں۔ اتنے دن اگر انسان کو چوبیس گھنٹے بھی جاگنا پڑے تو وہ جاگ سکتا ہے۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ کام کو بہتر طور پر چلانے کے لیے پانچ سو والنٹیئرز ضروری ہوں گے۔ ان میں سے اڑھائی سو خدام یہاں سے لیے جائیں، چنیوٹ کے طالبعلم، تعلیم الاسلام کالج کے طالبعلم، جامعہ احمدیہ احمد نگر کے طالبعلم اور ربوہ کے خدام سب مرکز کے خدام میں شامل ہوں گے۔ ان میں سے اچھے، قابلِ اعتبار، محنتی اور مستعد نوجوان اڑھائی سو کی تعداد میں مل سکتے ہیں۔ باقی خدام بیرونی جماعتیں پیش کریں۔ اگر کوئی چھوٹی جماعت پانچ خدام پیش کرسکتی ہے تو وہ پانچ آدمی پیش کر دے، اگر کوئی دس خدام پیش کرسکتی ہے تو وہ دس پیش کر دے۔ ان کا کام حفاظت اور نگرانی اور پہرہ کی ڈیوٹی ادا کرنا اور مہمانوں کی خدمت کرنا ہوگا۔ چونکہ دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں اس لیے خدام الاحمدیہ کے دفتر مرکزیہ کو اس بارہ میں جلد سے جلد اپنا کام شروع کر دینا چاہیے اور باہر کی جماعتوں کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر اپنے خدام کی تعداد سے دفتر مرکزیہ کو اطلاع دیں کیونکہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے

مگر آدمی وہی ہوں جو کم سے کم پانچ سالہ احمدی ہوں یا نسلی احمدی ہوں اور جن کے متعلق پریذیڈنٹ، سیکرٹری اور زعیم تینوں اِس بات کی تصدیق کریں کہ وہ ہر قسم کی قربانی اور محنت سے کام لیں گے اور کسی قسم کی غفلت، سُستی اور غدّاری کا ارتکاب نہیں کریں گے"۔

(الفضل 20 دسمبر 1951ء)

1: صحیح بخاری کتاب الْعِیْدَیْنِ بَابُ الْخُطْبَةِ بَعْدَ الْعِید

2: **مسٹر ماریسن:** یہاں غالبًا ماریسن سٹینلے کا ذکر ہے۔ جو مشہور برطانوی سیاستدان تھے۔ آپ لیبر پارٹی لندن کے سیکرٹری رہے اور 1923ء میں پارلیمنٹ کے ممبر بنے۔ 1929ء سے 1931ء کے دوران وزیر مواصلات رہے۔(اردو جامع انسائیکلوپیڈیا)

3: **راک فیلر:** (Rockefeller) ان کا پورا نام John Davidson Rockefeller تھا۔ یہ 1839ء کو امریکہ میں پیدا ہوئے اور 1937ء میں فوت ہوئے۔ مشہور امریکی صنعت کار اور سرمایہ دار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔(وکی پیڈیا۔ آزاد دائرہ معارف زیرِعنوان "John D.Rockefeller")

4: **راشیلڈ:** (**Rothshild**) روتھ شیلڈ ایک یورپی یہودی خاندان ہے جو نہ صرف یورپ کے مختلف ممالک میں بینکاری کے نظام پر حاوی ہے بلکہ امریکہ کے فیڈرل ریزرو کے بنیادی حصہ داروں میں بھی شامل ہے۔ اس خاندان کے مشہور لوگوں میں بیرن روتھ شیلڈ شامل ہے جو برطانیہ میں یہودیوں کا نمائندہ تھا اور فلسطین پر یہودی قبضہ کو مستحکم کرنے میں اس کا کردار شامل تھا۔(وکی پیڈیا آزاد دائرہ معارف زیرِعنوان "روتھ شیلڈ Rothschild")